النبا العظیم

(۱۶)

تعلیم ہمیشہ سے اصلاح اور افساد دونوں کا ذریعہ رہی ہے۔ اگر تعلیم صحتمندانہ اور عمدہ اور مفید قسم کی ہو تو اس سے قوم ابھرتی اور ترقی کرتی ہے اور اگر وہ مریضانہ اور مخرب ہو تو اس سے قوم میں پستی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر الہ آبادی نے انگریزی تعلیم کی نسبت طنز کیا تھا "افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی"

مسلمانوں کو محسوس کرنا چاہئے کہ ملک کے موجودہ حالات میں جب کہ تعلیمی نظام میں اس درجہ ابتری اور پراگندگی ہے انہیں کسی طرح اس کے تدارک کا سامان کرنا چاہئے تھا۔ اس سلسلہ میں شمالی ہند کے مسلمان جنوبی ہند کے مسلمانوں سے اور عیسائیوں سے سبق لے سکتے ہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ عیسائیوں پر آئے دن پارلیمنٹ میں اور پبلک میں بھی لے دے ہوتی رہتی ہے لیکن ان کا بڑے سے بڑا مخالف بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ تعلیم کی راہ سے انھوں نے ملک کی جو خدمت کی اور اس ذریعہ سے انھوں نے جو ایک خاموش ذہنی انقلاب پیدا کیا ہے۔ اس میں ہندوستان کا کوئی فرقہ ان کا حریف نہیں ہو سکتا ان کے اسکول اور کالج ہمیشہ اعلیٰ تعلیم اور ڈسپلن کے مرکز سمجھے گئے ہیں۔ جو لوگ ان پر پبلک میں خردہ گیری کرتے ہیں آج ان کا بھی حال یہ ہے کہ اپنے بچوں اور بچیوں کو بڑے فخر کے ساتھ انہیں لوگوں کی قائم کردہ نرسریز، کنونٹ اور پبلک اسکولوں میں بھیجتے اور اس کے لئے اخراجات کا بار گراں برداشت کرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ ان میں ایسے مذہبی اور دیندار حضرات بھی شامل ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے یہ تمام ادارے مشنریز کے قائم کئے ہوئے ہیں اور ان کا اصل مقصد عیسائیت کی طرف دعوت و تبلیغ ہے اور اس کے کچھ نہ کچھ اثرات ظاہر ہوتے بھی ہیں۔ لیکن اس علم اور اذعان و یقین کے باوجود ہندو اور مسلمان سب اپنے بچوں اور بچیوں کو ان کے اداروں میں تعلیم دلانا اپنے لئے نشانِ امتیاز اور ضروری سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مشنریز اجنبی اور بدیسی ہونے کے باوجود

ہمارے ملک کی ایک وقیع اور اہم خدمت انجام دے رہے ہیں، اور ساتھ ہی وہ اپنی قوم اور اپنے مذہب کو بھی عظیم فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

اب جنوبی ہند کے مسلمانوں کو دیکھئے! وہ بھی اس لائن پر کس بیدار مغزی، روشن ضمیری اور وقت شناسی سے بڑی خاموشی مگر عزم و ثبات کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ ٹامل ناڈو اور کیرالا وغیرہ میں جنرل اور پروفیشنل اور ٹکنکل تعلیم کے چھوٹے بڑے کتنے اعلیٰ سے اعلیٰ ادارے اور ہاسٹل ہیں جو ان مسلمانوں نے اپنے روپے سے قائم کئے ہیں اور بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں یہ ادارے کمونل یعنی مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں ہیں۔ بلکہ نیشنل یعنی قومی ہیں اور ان میں ہر مذہب کے لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پاتے ہیں لیکن چونکہ سرمایہ جو کچھ بھی ہے وہ مسلمانوں کا ہے۔ اس بنا پر اڈمنسٹریشن مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس لئے ان کالجوں اور تعلیمی اداروں میں اسلامی روایات و شعائر کا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ طلبا کے اخلاق کی نگرانی اور صحت مندانہ طریقہ پر ان کی ذہنی تربیت پر خاص توجہ کی جاتی ہے۔ اب ذرا غور کیجئے! ان مسلمانوں کی عالی ہمتی اور روشن ضمیری کے نتائج کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں:

(۱) مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے تعلیم کا اعلیٰ انتظام ہے۔

(۲) کوئی مسلمان لڑکا یا لڑکی محض غربت کی وجہ سے تعلیم سے خواہ وہ کسی قسم کی اور کسی درجہ کی ہو محروم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تعلیمی وظائف بھی کثرت سے ہیں اور ان کے لئے اوقاف الگ ہیں۔

(۳) اڈمنسٹریشن چونکہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے تعلیمی نظم و نسق اور اس کی پالیسی بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔

(۴) مسلم اور غیر مسلم سب طلبا ساتھ پڑھتے اور ایک دوسرے کے ساتھ کالج لائف میں شریک رہتے ہیں اس بنا پر ایک دوسرے کو سمجھنے، اس کی روایات اور کلچر سے واقف ہونے اور باہمی اشتراک و تعاون کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا جو موقع یہاں ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں مل سکتا۔

(۵) اکثریت کے فرقہ کے لوگوں میں نیم شعوری طور پر مسلمانوں کے لئے احساس تشکر پیدا ہوتا ہے،

کہ سرمایہ اور انتظام اور وہ بھی اعلیٰ قسم کا سب مسلمانوں کا ہے اور ان کی اولاد بھی اس سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔

ان سب چیزوں کا مجموعی اثر یہ ہے کہ ایک طرف تعلیم اور سائنس و ٹکنالوجی میں اس علاقہ کے مسلمانوں کا قدم کسی سے پیچھے نہیں ہے اور جو دشواریاں اور دقتیں یہاں ہمارے راستہ میں حائل ہیں وہاں ان کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ اور دوسری جانب وہاں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اس غضب کی پائی جاتی ہے کہ مسلم لیگ تک کو وزیر اعظم کی طرف سے غیر فرقہ وارانہ جماعت ہونے کا قولاً اور عملاً دونوں قسم کا سرٹیفیکیٹ مل چکا ہے۔

آج ہمارے بعض دوست کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا منصب قیادت کرنا ہے لیکن انھوں نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ قیادت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہوا میں معلق ہو اور کسی بھی قوم کے حصہ میں محض بخت و اتفاق سے آجائے۔ قیادت کا دارومدار خدمت اور نفع رسانی پر ہے جس قوم میں یہ وصف جس درجہ کا ہوگا اس کو اسی درجہ کی قیادت حاصل ہوگی سید القوم خادمھم جس کا ترجمہ فارسی میں "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" ہے اس کا آخر کیا مطلب ہے؟ اگر سوال کیا جائے کہ وہ کون سا مذہبی فرقہ ہے جس کو بحیثیت مجموعی آج دنیا کی ذہنی قیادت کا شرف حاصل ہے؟ تو اس کا جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ ہے "عیسائی"! اور بات ہے بھی درست، کیونکہ تعلیم میں، سیاست میں، لباس میں اور تہذیب و تمدن کے بیسیوں معاملات میں آج اقوام عالم کس کی تقلید اور پیروی کر رہی ہیں؟ امریکہ اور یورپ کی ہی یا کسی اور کی؟ اور ان دونوں کا مذہب مسیحیت ہی ہے یا کچھ اور؟ تو سوچنا چاہیئے کہ آخر مسیحی قوم کو یہ مرتبہ و مقام کیونکر حاصل ہوا؟ یا تاریخ میں کبھی مسلمانوں کو بھی یہ مقام حاصل تھا تو اس کے اسباب کیا تھے؟

بہر حال جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے مسلمانوں کو دو باتوں کا عزم کرنا چاہیئے :۔ (۱) ایک یہ کہ وہ تعلیم سے کسی مسلمان لڑکے یا لڑکی کو محض غربت اور افلاس کی وجہ سے محروم نہیں ہونے دیں گے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ بعض پست قسم کا پیشہ کرنے والے مسلمانوں کے بچے بڑے ذہین اور

اور طباع ہوتے ہیں۔ لیکن والدین کو ان کی تعلیم کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کا فرض یہ بھی ہوگا کہ وہ اس قسم کے ہونہار بچوں کا سراغ لگائیں اور ان کے والدین کو متوجہ کریں کہ وہ تعلیم کا بندوبست کریں اور (۲) دوسری بات یہ ہے کہ انہیں کم از کم ہر ضلع میں ایک ہائی اسکول اور ایک کالج قائم کرنا ہے جس میں آرٹس۔ سائینس اور کامرس تینوں کی تعلیم کا اعلیٰ بندوبست ہوگا۔ اس کی بلڈنگ، لائبریری کھیل کے میدان۔ لیبورٹریز۔ غرض کہ ہر چیز اعلیٰ سے اعلیٰ ہوگی۔ اس کالج کے اساتذہ کی تنخواہیں بہ نسبت دوسرے کالجوں کے کہیں زیادہ ہوں گی تاکہ قابل سے قابل اساتذہ فراہم ہوں اور جو یہاں آئیں وہ اطمینان اور دلجمعی سے کام کریں۔ یہ نہ ہو کہ آج یہاں اور کل وہاں! کبھی امریکہ ہیں اور کبھی نائیجیریا میں۔ اس کالج کے ساتھ ہوسٹل بھی لازمی طور پر ہوگا اور کسی طالب علم کو ہاسٹل سے باہر رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اسی طرح کالج کے کیمپس کے اندر ہی سب اساتذہ کے مکانات ہوں گے اور کوئی استاد کیمپس سے باہر رہنے کا مجاز نہیں ہوگا۔ ہفتہ میں کم از کم ایک دن اساتذہ اور طلبا ایک ساتھ کھانا کھائیں گے۔ یہ کالج صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں ہوگا۔ اس میں غیر مسلم طلبا بھی تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ لیکن چونکہ مسلمان تعلیم میں پیچھے ہیں اور ان کو دوسرے کالجوں میں داخلہ لینے میں بعض تکنکل قسم کی دشواریاں بھی ہوتی ہیں۔ اس بنا پر اس کالج میں ساٹھ یا ستر فیصد سیٹیں مسلمان طلبا کے لئے مخصوص ہوں گی۔

یہ کالج تو جنرل ایجوکیشن کا ہوگا۔ اس کے علاوہ پروفیشنل اور ٹکنکل ایجوکیشن کے کالج اور لڑکیوں کے کالج بھی اسی نہج اور ڈھنگ کے ہونے چاہئیں کہ کالج کہلائیں۔ ان سب کاموں کی تکمیل اور ان کا انصرام اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ جس طرح جنوبی ہند کے مسلمانوں کا ایک عظیم الشان تعلیمی ٹرسٹ ہے اسی طرح مسلمانوں کا ایک مرکزی تعلیمی ٹرسٹ ہو اور یہ سب کام اس کے ماتحت انجام پائیں۔ امریکہ کناڈا اور یوروپ کو چھوڑیے۔ جہاں قدم قدم پر رفاہی اور انسانی فلاح و بہبود کے کاموں کے لئے بڑے بڑے ٹرسٹ اور فنڈ ہیں۔ خود اپنے ملک میں دیکھئے۔ برادران وطن کے کتنے عظیم الشان ٹرسٹ ہیں جو فلاح عام کا کام کر رہے ہیں۔ مشکل کوئی چیز نہیں ہے۔ ضرورت صرف احساس

توجہ اور خود شناسی کی ہے۔ ملک میں اگر مسلمانوں کی آبادی سات کروڑ بھی مان لی جائے اور فی کس صرف ایک روپیہ سالانہ جس کے معنی ہیں کہ آٹھ پیسے سے کچھ زائد ماہانہ وصول کیا جائے تو ایک برس میں سات کروڑ کی رقم جمع ہو جاتی ہے اس رقم سے کیا کچھ نہیں ہو سکتا اور کسی پر کوئی بوجھ بھی نہیں ہوتا۔

سماجیات | کسی قوم کی معاشرت اس کے رہن سہن۔ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے کے طور طریق۔ اس کا لباس اور اس کی وضع قطع۔ شادی اور غمی کی تقریبات اور اس کے تہذیبی آداب و رسوم یہ سب عکس ہوتے ہیں اس کے عقیدہ اور زندگی سے متعلق اس کے بنیادی نظریہ اور فکر کے عربی کا مشہور مقولہ ہے "کل اناءٍ یترشح بما فیہ" ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جب کبھی کوئی تحریک کسی خاص نظریہ اور فکر کی بنیاد پر شروع ہوتی ہے تو وہ اس بات پر بھی زور دیتی ہے کہ روزمرہ کے معمولات و مشاغل حیات میں اس نظریہ کی تطبیق کس طرح ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسان کو ایک عقیدہ اور انسانی زندگی اور اس کے معاملات و مسائل سے متعلق ایک نظریہ اور ایک فکر عطا فرمایا تو ساتھ ہی اس امر کی تعلیم دی کہ اس نظریہ اور عقیدہ کے حاملین کے آداب و رسوم معاشرت کیا ہونے چاہئیں۔ اس سلسلہ میں کون سی چیزیں اچھی ہیں اور کون سی بری۔ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز۔ اور اس معاملہ میں اس درجہ بسط و تفصیل سے کام لیا کہ زندگی کا کوئی معمولی سے معمولی اور ادنیٰ سے ادنیٰ پہلو بھی اس کے احاطہ سے بچ نہیں سکا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام چیزوں کا مکمل نمونہ عمل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا کہ بس معیار حق و باطل آپ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ علم کلام کے دور از کار مباحث کچھ کہیں۔ حق یہ ہے کہ عقیدہ اور عمل میں کوئی فصل ممکن ہی نہیں ہے۔ عقیدہ سے استدلال عمل پر ہوتا ہے اور عمل سے عقیدہ پر۔